موجودہ عہد میں اسلامی قانون کی اہمیت ☆

خالد سیف اللہ رحمانی

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین ،
وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ، وعلیٰ من تبعھم باحسان الی یوم الدین .

صدر عالی قدر، بزرگانِ محترم، حضرات گرامی! اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس وقت ہم آفاقی شہرت کی حامل ایک تاریخی دانش گاہ میں جمع ہیں، جس کے بانی کی بنیادی فکر تھی کہ ہمارے دائیں ہاتھ میں قرآن مجید ہو، بائیں ہاتھ میں سائنس اور سر پر ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ '' کا تاج — بانی کے اخلاص اور ان کی حسن نیت کا ثمرہ ہے کہ آج علم و دانش کے اس مہر عالم تاب کی کرنیں پوری دنیا میں پھیل رہی ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ پھیلتی رہیں گی، اللہ اسے نظر بد سے محفوظ رکھے، اس لئے اس جگہ سے زیادہ مناسب اور زیادہ بہتر شاید کوئی اور جگہ نہیں ہو سکتی تھی، جہاں ''موجودہ عہد میں اسلامی قانون کی معنویت'' پر یہ مذاکرہ منعقد ہوتا۔

حضرات! انسان کی خواہشات، اس کی چاہتیں اور آرزوئیں جن کو قرآن نے ''امانی'' سے تعبیر کیا ہے، (النساء:۱۲۳) بے شمار اور بے نہایت ہیں؛ جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو اس کی تمام تر وسعت کے باوجود محدود وسائل کا حامل بنایا ہے، اس دنیا میں انسان کی ضرورتیں تو پوری ہو سکتی ہیں، کہ یہ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا عین تقاضا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُھَا '' (ھود:٦) اور رزق میں تمام ضرورتیں شامل ہیں؛ لیکن اس کی نہ ختم ہونے والی سرحد نا آشنا خواہشات پوری نہیں ہو سکتیں، اس کی جگہ دنیا نہیں، آخرت ہے، جو ''مَا تَشۡتَھِیۡ اَنۡفُسَکُمۡ '' کی جگہ ہے (فصلت:۳۱) اسی لئے آخرت میں جنت مکیں لوگوں کے درمیان کوئی ٹکراؤ اور تصادم نہیں ہوگا اور ان کے قلوب ہر طرح کے ''غل وغش'' سے پاک ہوں گے؛ مگر اس دنیا میں محدود وسائل کی وجہ سے خواہشات کے درمیان ٹکراؤ ہوگا، اس ٹکراؤ کی وجہ سے ظلم و زیادتی کے واقعات بھی پیش آئیں گے اور جرائم کا ارتکاب بھی ہوگا؛ بلکہ پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہابیل اور قابیل سے ہی اس کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ (المائدۃ:۲۸)

☆ اس عنوان سے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے جامعہ ملیہ دہلی میں شعبۂ اسلامیات کے تعاون سے ایک سیمینار منعقد کیا تھا، یہ اس سیمینار کا کلیدی خطبہ ہے۔

اسی کے لئے قانون کی ضرورت پیش آتی ہے، قانون اس تصادم کو روکتا ہے، قانون ہر شخص کے لئے دائرے مقرر کرتا ہے کہ اس کے حقوق اور اختیارات کی حدیں کہاں تک ہیں؟ قانون ظالم کو ظلم سے باز رکھتا ہے اور اس کے جرائم کی سزا دیتا ہے، مظلوم کو انصاف دلاتا ہے اور اس کے حق کو بازیاب کرتا ہے، اس لئے کوئی مہذب انسانی سماج ایسا نہیں ہوسکتا، جو کسی قانون کے بغیر زندگی بسر کرے، جو سماج لاقانونیت پر مبنی ہو، وہ حقیقت میں ''جنگل راج'' کا مصداق ہوگا اور وہاں ''جس کی لاٹھی، اس کی بھینس'' کے اُصول پر جبر وظلم کے سایہ میں لوگوں کو زندگی بسر کرنی ہوگی، اس لئے قانون کی اہمیت اور انسانی سماج کے لئے اس کی ضرورت کا کوئی سمجھدار شخص انکار نہیں کرسکتا۔

اہمیت اس بات کی ہے کہ قانون بنانے کا حق کس کو ہے؟ — بنیادی طور پر دنیا کی تاریخ میں تین قسم کے قوانین پائے جاتے ہیں، شخصی قانون، عوامی قانون اور الہامی قانون، شخصی قانون میں ایک شخص کی زبان اور اس کی سوچ قانون کی اساس ہوتی ہے، تنہا بادشاہ یا ڈکٹیٹر کے فیصلے تمام عوام پر واجب العمل سمجھے جاتے ہیں، آج کی دنیا شاہی نظامِ حکومت کو رد کرچکی ہے، بہت کم ملکوں میں اس طرح کے نظام قائم ہیں اور جہاں ہیں، وہاں بھی بہت سی جگہوں میں بادشاہ کو محض ایک علامتی سربراہ کی حیثیت سے باقی رکھا گیا ہے؛ عوام اپنے منتخب نمائندوں کے واسطہ سے خود قانون بناتے ہیں، جسے ہم ''جمہوریت'' کہتے ہیں، آج کی دنیا میں یہ ایک آئیڈیل، پسندیدہ اور مقبول ترین نظام حکومت ہے، جو ہمارے ملک میں بھی جاری ہے؛ بلکہ کہا جاتا ہے کہ ہم دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہیں، ان دونوں نظام ہائے حکومت میں انسان کو قانون بنانے کا اہل مانا جاتا ہے اور وہی قانون کا اصل سرچشمہ ہوتا ہے، چاہے شاہی فرامین ہوں، عوام کے منتخب نمائندوں کے فیصلے ہوں یا حکومت کے نامزد عوامی نمائندوں کے فیصلے، یا وہ رسوم ورواجات جنھیں عوامی مقبولیت حاصل ہوگئی ہے۔

اس کے مقابلہ قانون کی ایک قسم وہ ہے جو الہام پر مبنی ہے، یعنی وہ قانون جس کی بنیاد مذہب پر ہے اور مذہب وجود میں آتا ہے خدا کے تصور سے، اس لئے اہل مذہب اپنے قوانین کے بارے میں خیال رکھتے ہیں کہ یہ خدا کا بھیجا ہوا قانون ہے، جو کسی ذریعہ سے انسانیت تک پہنچا ہے، اسلام بنیادی طور پر اسی کا قائل ہے؛ چنانچہ اسلام کی نگاہ میں قانون بنانے اور حلال وحرام کو متعین کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ، (الانعام:۵۷) وَلَهُ الْأَمْرُ (الاعراف:۵۴)؛ کیوں کہ پوری انسانیت کے لئے وہی ذات نظامِ حیات کو طے کرسکتی ہے، جو ایک طرف پوری کائنات کے بارے میں باخبر ہو اور پوری انسانیت کے جذبات واحساسات اور اس کی خواہشات وضروریات، نیز اس کے نفع ونقصان اور اشیاء کے نتائج واثرات سے پوری طرح واقف ہو؛ کیوں کہ اگر وہ ان حقیقتوں کا علم نہیں رکھتا ہو، تو عین ممکن ہے کہ اس کے دیئے ہوئے بعض احکام نفع کے بجائے نقصان اور خیر وفلاح

کے بجائے ناکامی وخسران کا باعث بن جائیں۔

دوسری طرف وہ تمام انسانی طبقات کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کرسکتا ہو، کالے گورے، امیر وغریب، مرد وعورت، رنگ ونسل اور زبان ووطن کی بنیاد پر ان کے درمیان کوئی تفریق روا نہ رکھتا ہو — اور ایسی ذات خدا ہی کی ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ وہ علیم وخبیر بھی ہے اور عادل ومنصف بھی۔

انسان یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ کائنات کی تمام اشیاء کے فائدہ ونقصان اور پوری انسانیت کے جذبات واحساسات سے واقف ہے؛ بلکہ وہ تو اپنے آپ سے بھی پوری آگہی کا مدعی نہیں ہوسکتا، اور ہر انسان چوں کہ کسی خاص رنگ ونسل، کنبہ وخاندان اور زبان وعلاقہ کی وابستگی کے ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے اور یہ وابستگی اس میں فطری طور پر ترجیح وطرفداری کا ذہن پیدا کرتی ہے؛ اس لئے کسی انسان یا انسانی گروہ کے بارے میں یہ بات نہیں سوچی جاسکتی کہ وہ تمام انسانوں کے ساتھ مساوی طریقہ پر عدل وانصاف کا برتاؤ کرے گا؛ اس لئے خدا کا بھیجا ہوا قانون انسانی قانون کے مقابلہ یقیناً برتر وفائق اور مبنی بر انصاف ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے جس دن سے کائنات کی یہ بستی انسانوں سے بسائی ہے، اسی دن سے انسان کو زندگی بسر کرنے کے طریقہ کی بھی تعلیم دی ہے، پھر انسانی تمدن کے ارتقاء کے اعتبار سے وقتاً فوقتاً نئے احکام بھی دیئے جاتے رہے ہیں، نیز قانون کی گرفت کو کمزور کرنے کے لئے انسان نے آسمانی ہدایات میں اپنی طرف سے آمیزشیں بھی کی ہیں، ان تحریفات اور آمیزشوں سے پاک کرنے کی غرض سے رب کائنات کی طرف سے انسانیت کے لئے نئے بے آمیز ہدایت نامے آتے رہے ہیں، اس سلسلہ کی آخری کتاب قرآن مجید کی صورت میں پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی، یہ کوئی نیا قانون اور مکمل طور پر نئی شریعت نہیں ہے؛ بلکہ اسی قانون کا تسلسل ہے، جو مختلف ادوار میں پیغمبروں کے واسطہ سے انسانیت تک پہنچتا رہا ہے۔

محترم حضرات! شریعتِ اسلامی کو جو باتیں انسان کے خود ساختہ قوانین سے ممتاز کرتی ہیں، ان میں سے چند کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے :

۱- عدل

شریعتِ اسلامی کا سب سے امتیازی پہلو اس کا عدل ہے، اس دین کی بنیاد ہی عدل پر ہے، إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ، (النحل:۹۰) اسلام کی نگاہ میں رنگ ونسل، جنس اور قبیلہ وخاندان کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

يَآأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْباً وَّقَبَآئِلَ

لِتَعَارَفُوْا ، اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقَاکُمْ . (الحجرات:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اورتم کو خاندانوں اورقبیلوں میں تقسیم کیا ہے؛ تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک وہ ہے، جوسب سے زیادہ تقوی اختیار کرنے والا ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کو مزید واضح فرمایا اورارشاد ہوا کہ کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے،(۱) اسلام کے تمام قوانین کی اساس اسی اُصول پر ہے، برخلاف انسانی قوانین کے کہ انسانوں نے جو بھی قوانین وضع کئے ہیں، وہ ایک گروہ کی برتری اور دوسرے طبقہ کی تذلیل وحق تلفی پر مبنی رہا ہے، مغربی ممالک میں نصف صدی پہلے تک نسلی تفریق موجود تھی ،ساؤتھ افریقہ میں تو یہ تفریق (جو اہل یورپ کی طرف سے مسلط کی گئی تھی) گذشتہ پندرہ بیس سال پہلے تک بھی موجود تھی ،آج بھی ان کے آثار وشواہد باقی ہیں ،جنھیں دیکھ کر انسانیت کا سر مارے شرم کے جھک جاتا ہے ،امریکہ جو دُنیا کی واحد سُپر طاقت ہے، وہاں کی بعض ریاستوں میں آج بھی نسلی امتیاز پر مبنی قوانین موجود ہیں، شہریت کے مختلف درجات مقرر ہیں اوراسی نسبت سے ان کو رعایتیں اورسہولتیں حاصل ہوتی ہیں ،بعض ریاستوں میں اب بھی گوری اور کالی نسل کے درمیان شادی نہیں ہوسکتی ، اگر کر لی جائے تو یہ شادی غیر معتبر ہوگی اور پانچ سوڈالر یا چھ مہینہ کی قید یا دونوں سزائیں اس کا ارتکاب کرنے والوں کو دی جائیں گی۔(۲)

۲- توازن واعتدال

شریعتِ اسلامی کا دوسرا امتیازی وصف اس کا ’’توازن واعتدال‘‘ ہے ،مثلاً مرد وعورت انسانی سماج کے دو لازمی جزو ہیں ، دُنیا میں کچھ ایسے قوانین وضع کئے گئے ، جن میں عورت کی حیثیت جانور اور بے جان املاک (Property) کی سی قرار دے دی گئی ، نہ وہ کسی جائیداد کی مالک ہوسکتی تھی نہ اس میں تصرف کرسکتی تھی ، نہ اس کو اپنے مال پر اختیار حاصل تھا نہ اپنی جان پر، یہاں تک کہ اہل علم کے درمیان بحث جاری تھی کہ عورتوں میں انسانی روح پائی جاتی ہے یا حیوانی روح ؟ اس کے مقابل دوسری طرف کچھ لوگوں نے عورتوں کو تمام ذمہ داریوں میں مردوں کے مساوی قرار دے دیا ،عورتوں کی جسمانی کمزوری ،ان کے ساتھ پیش آنے والے قدرتی حالات وعوارض اورطبیعت ومزاج اورقوتِ فیصلہ پر ان کے اثرات کونظر انداز کردیا ،اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہ ظاہر تو اسے عورت کی

---

(۱) مسند احمد:۴۱۱/۵۔

(۲) الرق بيننا وبين أمريكا :۳۹ ، تاليف : على شحاته۔

حمایت سمجھا گیا؛ لیکن انجامِ کار اس آزادی نے سماج کو بے حیائی، اخلاقی انارکی، ناقابل علاج امراض، خاندانی نظام کا بکھراؤ اور خود عورتوں کو ناقابل تحمل فرائض کا تحفہ دیا۔

اسلام نے مردوں اور عورتوں سے متعلق نہایت متوازن قانون دیا ہے، انسانی حقوق میں مردوں اور عورتوں کو مساوی درجہ دیا گیا ہے، وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ، (البقرہ:۲۲۸) لیکن سماجی زندگی میں دونوں کے قویٰ اور صلاحیت کے لحاظ سے فرق کیا گیا ہے اور بال بچوں کی تربیت کی ذمہ داری عورتوں پر اور کسبِ معاش کی ذمہ داری مردوں پر رکھی گئی ہے، سماجی زندگی کا یہ نہایت ہی زریں اُصول ہے، جس میں خاندانی نظام کا بقاء، اخلاقی اقدار کی حفاظت اور عورت کو ناقابل برداشت مصائب سے بچانا ہے۔

دولت مندوں اور غریبوں، آجروں اور مزدوروں، عوام اور حکومت کے تعلقات اور مجرموں اور جرم سے متاثر مظلوموں کے درمیان انصاف وغیرہ سے متعلق اسلامی تعلیمات کو اگر حقیقت پسندی کے ساتھ دیکھا جائے تو قانونِ شریعت میں جو اعتدال نظر آئے گا، گذشتہ اور موجودہ ادوار میں انسانوں کے بنائے ہوئے کسی قانون میں ایسی میانہ روی نہیں ملے گی۔

۳- عقل و مصلحت سے ہم آہنگی

خدا سے بڑھ کر کوئی ذات انسان کی مصلحتوں سے آگاہ نہیں ہوسکتی؛ اسی لئے شریعت کے احکام عقل کے تقاضوں اور مصلحتوں کے عین مطابق ہیں، یہاں تک کہ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ شریعت تمام تر مصلحت ہی سے عبارت ہے اور ہر حکم شرعی کا مقصد یا تو کسی مصلحت کو پانا ہے، یا کسی نقصان اور مفسدہ کا ازالہ: ”**إن الشريعة كلها مصالح، إمادرأ مفاسد، أو جلب مصالح**“۔(۱)

اس کے برخلاف انسان کی عقل کوتاہ و نارسا ہے اور بہت سی دفعہ خود اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے سے بھی قاصر و عاجز انسان بعض اوقات خواہشات سے اس قدر مغلوب ہوجاتا ہے کہ کسی بات کو نقصان جانتے ہوئے بھی اس کو قبول کر لیتا ہے، اس کی واضح مثال شراب ہے، شراب انسان کے لئے نہایت نقصان دہ اور اس کی صحت کو برباد کر دینے والی چیز ہے، اس پر اتفاق ہے؛ لیکن آج دُنیا کے ان تمام ملکوں میں جو انسانی قانون کے زیرسایہ زندگی بسر کر رہے ہیں، شراب کی اجازت ہے، غیر قانونی جنسی تعلق اور ہم جنسی کے بارے میں تمام میڈیکل ماہرین متفق ہیں کہ یہ صحت کے لئے نہایت مہلک فعل ہے اور نہ صرف اخلاق کے لئے تباہ کن ہے؛ بلکہ طبی نقطۂ نظر سے بھی زہر ہلاہل سے کم نہیں، اس کے باوجود عوامی دباؤ اور آوارہ خیال لوگوں کی کثرت سے مجبور ہو کر بہت سے ترقی یافتہ ملکوں میں ان خلافِ فطرت اُمور کی بھی اجازت دے دی گئی ہے۔

---

(۱) قواعد الاحکام لعز الدین بن عبد السلام:۱/۹۔

اسلامی شریعت کہیں بھی عقل اور حکمت و مصلحت سے برسر پیکار نظر نہیں آتی اور اس کا ایک ایک حکم انسانی مفاد و مصلحت پر مبنی ہے۔

۴- فطرتِ انسانی سے مطابقت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، اسی لئے وہی انسانی فطرت سے بھی پوری طرح واقف ہے اور اس کی بھیجی ہوئی شریعت مکمل طور پر فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ ہے؛ اسی لئے قرآن نے اسلام کو دین فطرت سے تعبیر کیا ہے، فِطْرَةَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، (الروم:۳۰) فطرت سے بغاوت ہمیشہ انسان کے لئے نقصان وخسران اور تباہی و بربادی کا سبب بنا ہے، انسان کے بنائے ہوئے قانون میں فطرت سے بغاوت کا رجحان قدم قدم پر ملتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے عورت کی فطرت میں جلد بازی، زود رنجی اور بعجلت قدم اُٹھانے کا مزاج رکھا ہے؛ اسی لئے اسلام نے طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں نہیں رکھا، مرد کو طلاق کا اختیار دیا اور عورت کے لئے عدلیہ کے واسطہ سے گلوخلاصی کی سہولت دی، مغرب نے مرد وعورت کو مساوی درجہ دیتے ہوئے طلاق کے معاملہ میں بھی دونوں کو یکساں حیثیت دے دی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طلاق کی شرح بہت بڑھ گئی؛ یہاں تک کہ بہت سے ملکوں میں نکاح کے مقابلہ طلاق کی شرح بڑھی ہوئی ہے، خاندانی نظام بکھر کر رہ گیا ہے، اس وقت مغربی سماج اس درد میں کراہ رہا ہے اور رشتوں کی بنیاد محبت کی بجائے خود غرضی پر قائم ہوگئی ہے۔

اسی طرح انسانی فطرت ہے کہ سخت اور مناسب سزائیں ہی انسان کو جرم سے باز رکھ سکتی ہیں اور مجرم کے ساتھ حسن سلوک دراصل مظلوم کے ساتھ ناانصافی اور سماج کو امن سے محروم کردینے کے مترادف ہے؛ اسی لئے اسلام میں قتل کی سزا قتل رکھی گئی اور بعض دیگر جرائم میں بھی سخت سزائیں رکھی گئیں؛ لیکن مختلف ملکوں میں قتل کے مقابلہ قتل کی سزا ختم کردی گئی اور ہمدردی وانسانیت کے نام پر مجرم کو سہولتیں دی گئیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرائم پر جسارت بڑھتی جارہی ہے اور جو سزائیں دی جاتی ہیں، وہ جرم کے سد باب کے لئے قطعاً ناکافی ثابت ہورہی ہیں؛ اسی لئے بعض ملکوں میں تو قتل کی سزا منسوخ کرنے کے بعد دوبارہ ان کے اجراء کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

شریعتِ اسلامی کے جس حکم کو بھی حقیقت پسندی کے ساتھ دیکھا جائے، محسوس ہوگا کہ اس میں قانونِ فطرت کی مطابقت غیر معمولی حد تک پائی جاتی ہے، برخلاف انسان کے خود ساختہ قوانین کے، کہ اس میں فطرت سے بغاوت اور عقل و مصلحت کے تقاضوں پر خواہشات کے غلبہ کا رجحان ہر جگہ نمایاں ہے۔

۵- ثبات وتغیر — دوش بدوش

کسی بھی قانون کے مفید اور فعال رہنے کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ اس میں حالات اور مواقع کے لحاظ

سے تغیرات کو قبول کرنے کی گنجائش رہے، وہیں ایک گونہ ثبات ودوام اور بقاء واستمرار بھی ضروری ہے، جو قانون بالکل بے لچک اور تغیر نا آشنا ہو، وہ زمانہ کی تبدیلیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا اور جس قانون میں کوئی بقاء واستحکام ہی نہ ہو، وہ انصاف قائم کرنے اور لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ اس کے ہر اُصول میں شکست وریخت کی گنجائش ہوگی اور لوگ اس کو اپنی خواہشات کے سانچہ میں ڈھال لیں گے۔

شریعتِ اسلامی میں ان دونوں پہلوؤں کی رعایت ملحوظ ہے، کچھ احکام وہ ہیں، جن کی بابت اُصول وقواعد اور شریعت کے مقاصد کی وضاحت پر اکتفاء کیا گیا ہے، ہر عہد میں جو مسائل پیدا ہوں، ان کو ان اُصولوں کی روشنی میں حل کیا جائے گا؛ کیوں کہ شریعت کا اصل مقصد عدل کو قائم کرنا اور ظلم کو دفع کرنا ہے، اگر ایک ہی حکم کسی زمانہ میں عدل کو قائم رکھنے کا سبب ہو اور دوسرے عہد میں ظلم و نا انصافی کا باعث بن جائے، تو دونوں حالات میں حکم ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔

شریعت نے بعض مسائل میں جزوی تفصیلات کو بغیر کسی استثناء اور تخصیص کے متعین کردیا ہے، یہ تعیین وتحدید اس بات کی علامت ہے کہ یہ قیامت تک قابل عمل ہے، اسی طرح شریعت میں جو اُصولی ہدایات دی گئی ہیں اور جن قواعد اور مقاصد کی رہنمائی کی گئی ہے، وہ ناقابل تبدیل ہیں، اسی لئے قرآن مجید نے کہا ہے کہ قرآنی ہدایات کے ذریعہ دین پایۂ کمال کو پہنچ چکا ہے، اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ، (المائدۃ:۳) اور محمد رسول اللہ ﷺ پر سلسلۂ نبوت کو ختم کردیا گیا ہے، (الاحزاب:۴۰) لہٰذا اب خالق کائنات کی طرف سے کسی نئی شریعت کے آنے کا امکان باقی نہیں رہا۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے، لباس کی مقدار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے؛ لیکن جب انسان جوانی کی عمر کو پہنچ جاتا ہے، تو اس وقت جو لباس اس کے لئے موزوں ہوتا ہے، وہ ہمیشہ اس کے لئے کافی ہوتا ہے اور اس کی موزونیت باقی رہتی ہے، اسی طرح انسانی تمدن کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسبِ حال احکام آتے رہے، یہاں تک کہ جب انسانی شعور اور اس کا تمدن اپنے اوجِ کمال کو پہنچ گیا تو اسے شریعت محمدی سے نوازا گیا، اب یہ انسانی سماج کے لئے ایسا موزوں قانون ہے کہ قیامت تک اس کی موزونیت اور اس کی افادیت کم نہیں ہوسکتی۔

مگر — جیسا کہ مذکور ہوا — اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلامی قانون میں کوئی لچک نہیں ہے؛ بلکہ شریعت کے وہ قوانین جو قیاس واجتہاد یا مصلحت پر مبنی ہوں، براہ راست قرآن مجید اور معتبر احادیث سے ماخوذ نہ ہوں یا جن پر فقہاء مجتہدین کا اتفاق نہ ہو، ہر عہد میں ان کی تطبیق اس زمانے کے مطابق ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی؛ بلکہ خود قرآن وحدیث میں بھی ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، جن کی مختلف ادوار میں، ان ادوار کے وسائل اور احوال

کے لحاظ سے تعبیر کی جاسکے، جیسے قرآن مجید میں گواہوں کے ''عادل'' ہونے کی شرط لگائی گئی ہے (طلاق:۲)؛لیکن ''عادل'' کا مصداق متعین نہیں کیا گیا ہے؛ تاکہ ہر زمانہ میں اس زمانہ کے اخلاقی معیار کے مطابق اس کا مصداق متعین کیا جائے، اسی طرح حدیث میں کسی چیز پر قبضہ سے پہلے خرید وفروخت سے منع کیا گیا (۱)؛لیکن اس کا قطعی مفہوم متعین نہیں کیا گیا؛ تاکہ ہر زمانہ میں قبضہ کی جو نئی شکلیں پیدا ہوں، وہ اس حکم کے دائرہ میں آسکیں۔

۶- قانون کی تنفیذ

کسی بھی قانون کا نفاذ دو طریقوں پر ہوتا ہے، سماج کے اندر قبول وطاعت کا جذبہ پیدا کر کے اور قانون کے خلاف طاقت کا استعمال۔

کچھ طبیعتیں سلامتی اور شرافت کی حامل ہوتی ہیں، ان میں از خود قانون پر عمل کرنے کا جذبہ موجود ہوتا ہے؛ لیکن جن طبیعتوں میں سرکشی اور بغاوت ہوتی ہے، یا جو خواہشات سے مغلوب ہوتی ہیں، وہ جبر وخوف کے بغیر یا قانون کو قبول کرنے کی شکل میں اس سے خوب تر کی اُمید کے بغیر سر تسلیم خم نہیں کرتیں، انسانی قوانین میں عدالت، پولیس اور ان دونوں شعبوں کے ذریعہ سزاؤں کا خوف ہی انسان کو جرم سے باز رکھتا ہے،لیکن شریعتِ اسلامی میں اس سے آگے ایک اور عقیدہ ''آخرت کے عذاب وثواب'' کا ہے، اسی لئے قرآن وحدیث میں ہر حکم کے ساتھ، اس کے ماننے پر آخرت کا اجر اور اس کے نہ ماننے پر آخرت کی پکڑ کا ذکر موجود ہے، یہ ایسا انقلاب انگیز عقیدہ ہے، جو طاقتور سے طاقتور انسان کے دل کو ہلا کر رکھ دیتا ہے اور بڑے بڑے مجرموں کو قانون کے سامنے سپر انداز ہونے پر مجبور کرتا ہے، جب کوئی آنکھ دیکھنے والی اور کوئی زبان ٹوکنے والی نہیں ہوتی، اس وقت بھی یہ عقیدہ اس کے ہاتھوں کے لئے ہتھکڑی اور اس کے پاؤں کے لئے زنجیر بن جاتا ہے۔

مسلم سماج میں اِس گئے گذرے دور میں بھی اس کی مثالیں بہ آسانی دیکھی جاسکتی ہیں، مثلاً یہی منشیات کا مسئلہ ہے، آج پوری دُنیا اس مسئلہ سے دوچار ہے اور اس کے نقصانات بحث سے ماوراء ہیں، امریکہ نے ان حالات کو دیکھتے ہوئے ۱۹۳۰ء میں نشہ بندی کا ایک قانون بنایا اور شراب کی مضرتوں کو واضح کرنے کے لئے صرف تشہیر پر ۶۵ ملین ڈالر خرچ کئے، ۹ہزار ملین صفحات شراب کے نقصانات پر لکھے گئے، ۲۰۰ آدمی قتل کئے گئے، ۵ لاکھ کو قید کی سزا دی گئی، جو جرمانے کئے گئے، اس کی مقدار بے شمار ہے؛لیکن اس کے باوجود قانون کی طاقت سے قانون کو منوایا نہیں جاسکا اور ۱۹۳۳ء میں امریکی حکومت اس بات پر مجبور ہوئی کہ اس قانون کو واپس لے لے۔

قرآن مجید نے جب شراب کو حرام قرار دیا، تو عرب اس کے بے حد عادی تھے، یہاں تک کہ اسلام سے پہلے

---

(۱) بخاري، عن علي بن عبد الله، حديث:۲۱۳۵۔

ان کی مذہبی تقریبات بھی شراب سے خالی نہیں ہوتی تھیں ؛ لیکن شراب کی حرمت کا حکم آتے ہی لوگوں نے اپنا سر جھکا دیا اور مدینہ کی گلیوں، کوچوں میں شراب بہنے لگی، آج بھی صورتِ حال یہ ہے کہ جہالت وغفلت کے باوجود مسلمان سماج میں شراب سے جو احتیاط برتی جاتی ہے، شاید ہی اس کی مثال مل سکے، مغربی ممالک میں خاص طور پر اس کو محسوس کیا جاسکتا ہے کہ دوش بدوش زندگی گذارنے والے مسلمان اور غیر مسلم مئے نوشی کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بہت مختلف کردار کے حامل ہوتے ہیں۔

اسی طرح زنا اور غیر قانونی جنسی تعلق کا معاملہ ہے، کہ آج بھی اس معاملہ میں مسلم سماج دوسری قوموں سے بدرجہا غنیمت ہے، یہی وجہ ہے کہ ایڈس کی بیماری کی شرح مسلم ملکوں میں سب سے کم ہے، یہاں تک کہ وہ مسلمان ملک جنھیں سیکولرزم کے نام پر ''اغواء'' کرلیا گیا ہے، وہ بھی ایسی برائیوں میں مغربی اور مغرب زدہ ممالک سے بہتر حالت میں ہیں، — مغربی ملکوں میں شہر شہر بوڑھے لوگوں کے لئے ہاسٹل قائم کردیئے گئے ہیں، لوگ بوڑھے ماں باپ اور بزرگانِ خاندان کو ان ہاسٹلوں میں رکھ کر اپنا بوجھ ہلکا کرلیتے ہیں، لیکن مسلم سماج میں آج بھی ایسی خود غرضی نسبتاً کم پائی جاتی ہے، والدین کا احترام اور بزرگوں کی قدردانی کو لوگ اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں، یہ آخرت کے خوف اور آخرت میں جوابدہی کے احساس کے بغیر نہیں ہوسکتا، پس وضعی قوانین کا نفاذ قانون کی طاقت ہی سے ممکن ہے ؛ لیکن قانون شریعت کے نفاذ میں عقیدہ وایمان کی طاقت بھی مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔

اجتہاد

حضرات گرامی ! اسلامی قانون کا تعارف اس وقت تک نامکمل ہوگا جب تک مسئلہ اجتہاد کے بارے میں کچھ عرض نہ کیا جائے، اجتہاد کے سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ اسلامی قانون کے بنیادی مصادر چار ہیں : کتاب اللہ، سنتِ رسول، اجماع یعنی اُمت کا کسی مسئلہ پر اتفاق، قیاس یعنی جس صورتِ حال کا حکم قرآن وحدیث میں صراحتاً ذکر نہ کیا گیا ہو اس میں قرآن وحدیث کے مماثل حکم جاری کرنا، اس کے علاوہ بعض ضمنی مآخذ بھی ہیں جن کا تعلق ضرورت ومصلحت اور عرف ورواج وغیرہ سے ہے، ان مآخذ سے شرعی احکام مستنبط کرنے اور جو نئے واقعات پیش آئیں، ان کو اس پر منطبق کرنے کو اجتہاد کہتے ہیں، پیغمبر اسلام ﷺ نے نہ صرف 'اجتہاد' کو درست قرار دیا ؛ بلکہ اس کو اجر وثواب کا باعث بھی بتایا، اس لئے اجتہاد کا مسئلہ اسلامی قانون سے حد درجہ مربوط ہے۔

یہ بات عرصہ سے زیر بحث ہے کہ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے یا بند ہو چکا؟ — اس پر اہل علم کے درمیان کافی بحثیں بھی کی جاتی ہیں، اس سلسلہ میں ایک بات تو واضح ہے کہ جس دروازہ کو رسول اللہ ﷺ نے کھولا ہے اسے کوئی کیسے بند کرسکتا ہے، اُمت کے بڑے سے بڑے عالم کو بھی اس کا حق نہیں پہنچتا کہ قرآن وحدیث میں جس بات کو جائز قرار دیا گیا ہے وہ اس سے منع کردے ؛ البتہ دو باتیں قابل غور ہیں، اول یہ کہ کس حد تک اجتہاد کی ضرورت

ہے؟ دوسرے یہ کہ کونسے مسائل اجتہاد کا محل ہیں؟

مجتہد بنیادی طور پر تین کام کرتا ہے :

(الف) جس ذرائع سے کوئی حکم ہم تک پہنچا ہے، اس کے معتبر و نامعتبر اور مقبول و نامقبول ہونے کی تحقیق، جیسے وہ احادیث جو متواتر نہیں ہیں، یا صحابہ کے اقوال وغیرہ کے بارے میں اس بات کو جاننا کہ جن شخصیتوں کی طرف ان اقوال وافعال کی نسبت کی گئی ہے، وہ نسبت مستند و معتبر بھی ہے یا نہیں؟

(ب) شریعت میں قرآن وحدیث میں بعض احکام وہ ہیں جن کے اسباب وعلل اور مقاصد کو بھی واضح کر دیا گیا ہے اور بہت سے احکام وہ ہیں جن میں ان کی وضاحت نہیں کی گئی ہے، غور وفکر کر کے مجتہدین ان کی علتوں کو دریافت کرتے ہیں۔

(ج) تیسرا کام یہ ہے کہ جن صورتوں کے بارے میں کتاب وسنت میں صراحت نہیں کی گئی ہے اور اس دور میں وہ پیش آتی ہیں، دریافت شدہ اسباب وعلل کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان پر اس کو منطبق کیا جائے۔

ان میں سے پہلے دو کام وہ ہیں جو صدیوں کی محنتوں کے نتیجے میں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہیں، ائمۂ مجتہدین نے روایت اور درایت اور داخلی اور خارجی شہادتوں کے ذریعہ نصوص کو پرکھنے کا کام اس ذہانت ومحنت کے ساتھ انجام دیا ہے کہ تاریخ علم میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، اب ازسرنو اس کام کو کرنا بنی بنائی مستحکم عمارت کو ڈھا کر دوبارہ تعمیر کرنے کے مترادف ہے، جو یقیناً ایک عبث کام ہوگا، ہر علم میں تدریج اور ارتقاء کا ایک فطری دور ہوتا ہے اور جب وہ ارتقاء کی ایک منزل تک پہنچ جاتا ہے تو اب اس میں مزید ترقی کی گنجائش نہیں رہتی، یہ دونوں کام اپنی اس منزل کو پہنچ چکے ہیں۔

تیسرا کام وہ ہے جس کی ضرورت قیامت تک باقی رہے گی، اسی کو فقہاء احناف نے ''تخریج مسائل'' اور علامہ شاطبی نے ''تحقیق مناط'' سے تعبیر کیا ہے، ہر دور میں علماء اس کام کو کرتے رہے ہیں اور موجودہ دور میں تیز رفتار تبدیلیوں اور سائنسی ترقیوں کی وجہ سے اس کی ضرورت بڑھ گئی ہے، اس لئے 'اجتہاد مطلق' جو مذکورہ تینوں کاموں سے مرکب ہے، کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی؛ بلکہ اس میں ڈھیر سارے مفاسد کا اندیشہ ہے اور جزوی اجتہاد اپنے عہد کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ایک ضرورت ہے اور کسی صاحبِ نظر عالم نے اس کا انکار نہیں کیا ہے اور نہ اس سے انکار نہیں کیا ہے۔

دوسرا قابل غور پہلو یہ ہے کہ کونسے مسائل اجتہاد کا محل ہیں؟ —— اس سلسلہ میں اُصولی بات یہ ہے کہ جو مسائل یقینی ذریعہ یعنی قرآن مجید اور حدیثِ متواتر سے ثابت ہوں اور اپنے معنی ومفہوم پر بھی اس کی دلالت واضح ہو، اس میں کسی اور معنی کا احتمال نہ ہو یا جن مسائل پر اُمت کا اجماع واتفاق ہو ان میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں، جو

احکام قیاس ومصلحت پر مبنی ہوں، ایسے دلیلوں سے ثابت ہوں جن کا معتبر ہونا متفق علیہ نہ ہو، ایسے الفاظ میں ان احکام کا ذکر کیا گیا ہو جن میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہو یا جن اُمور کے بارے میں معتبر فقہاء کے درمیان اختلافِ رائے پایا جاتا ہو وہی اصل میں اجتہاد کا محل ہیں، بدقسمتی سے ہمارے دور میں ایک طبقہ ایسے مسائل میں اجتہاد چاہتا ہے جو محل اجتہاد ہیں ہی نہیں اور جو مسائل اجتہاد کا محل ہیں اور ان میں اجتہاد کی ضرورت ہے ان میں اجتہاد کا عمل جاری ہے، خاص کر فقہ اکیڈمیاں جو عالم اسلام اور بعض غیر مسلم ممالک جیسے: ہندوستان اور یورپ وغیرہ میں خدمت انجام دے رہی ہیں وہ اجتہاد کی ضرورت کو اجتماعی کوششوں کے ذریعہ پوری کررہی ہیں، ہندوستان میں بھی خاص کر مسلمان خواتین کے مسائل کو حل کرنے کے لئے علماء ایسی کوششیں کرتے رہے ہیں، اس سلسلہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے علاوہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے آٹھویں سیمینار منعقدہ: ۷-۸/جولائی ۲۰۰۷ء علی گڑھ کا ذکر کیا جاسکتا ہے، جس میں کئی فیصلوں کے بہ شمول دو اہم فیصلے کئے گئے، ایک ''اشتراط فی النکاح'' کا، یعنی اگر نکاح کے وقت عورت کوئی ایسی شرط لگائے جو شریعت کے خلاف نہ ہو تو وہ معتبر ہوگی، دوسرے مشروط مہر کا یعنی نکاح کے وقت اگر دو مختلف حالتوں کے ساتھ دو مہر مقرر کئے جائیں تو اس کا اعتبار ہوگا، اس لئے حقیقت یہ ہے کہ ضرورت کی حد تک اجتہاد کا عمل ہمیشہ سے جاری رہا ہے اور جاری رہے گا، یہ شریعت اسلامی کی ابدیت اور محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم نبوت کا لازمی تقاضہ ہے۔

حضرات! قانون شریعت کی ضرورت ومصلحت اور فطرت انسانی سے ہم آہنگ کا نتیجہ ہے کہ پوری دنیا میں اور خود ہمارے ملک میں بھی اسلامی قانون سے استفادہ کیا جاتا رہا ہے، جیسے قانونِ طلاق ہے؛ چوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک اخلاقی ہدایت انجیل متی میں موجود ہے کہ ''جس کو خدا جوڑے، اس کو کوئی نہ توڑے'' اس لئے عیسائی دنیا میں نکاح ایسا بندھن سمجھا جاتا تھا، جس کو کھولا نہیں جاسکتا، اسی لئے مغربی دنیا میں طلاق کا تصور نہیں تھا اور نہ ہمارے ہندو بھائیوں کے یہاں تھا؛ لیکن آج پوری دنیا میں طلاق کو ایک سماجی ضرورت تسلیم کیا گیا ہے،—— عورتوں کو نہ یورپ میں میراث کا حق تھا اور نہ ہندوستان میں یورپ میں انیسویں صدی کے اختتام تک بھی عورتوں کو حق میراث حاصل نہ ہوتا تھا؛ لیکن آج مغرب سے مشرق تک خواتین کو حق میراث دیا گیا ہے، ہمارے ملک میں بیوہ عورتوں کو دوسرے نکاح کی اجازت نہیں تھی؛ لیکن موجودہ ہندو قانون میں اجازت دی گئی، غرض کہ زندگی کے مختلف شعبوں کا جائزہ لیا جائے تو آج کی دنیا کے بہت سے قوانین وہ ہیں، جو شریعت اسلامی سے مستفاد ہیں، مجھے یاد آتا ہے کہ جسٹس کرشنا ایئر نے اپنے ایک خطاب میں کہا تھا کہ اگر ہندوستان میں یکساں سیول کوڈ نافذ ہوا تو یقیناً وہ زیادہ تر مسلم پرسنل لا سے ماخوذ ہوگا، اور سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے اپنے وزارت عظمیٰ کے دور میں کہا تھا کہ مجھے اسلامی شریعت کی یہ بات بہت اچھی لگتی ہے کہ اس میں عورت کو خود اپنا نکاح کرنے کا حق دیا گیا ہے

اور کسی لڑکی کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

اس لئے یہ خوش فہمی اور مذہبی خوش اعتقادی نہیں ہے؛ بلکہ روشن حقیقت ہے کہ اسلامی قانون میں ہر عہد کی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے اور انسانی زندگی کے مصالح کو روبہ عمل لانے کی پوری صلاحیت ہے اور مشرق ومغرب کا کوئی قانون نہیں، جس نے اس چشمۂ فیض سے کسبِ فیض نہ کیا ہو اور کیوں نہ ہو کہ یہ مخلوق کا نہیں؛ بلکہ خالق کا بھیجا ہوا قانون ہے، جس سے بڑھ کر کوئی ذات انسانی ضرورتوں اور مصلحتوں سے باخبر نہیں ہوسکتی۔

محترمانِ ما! اسلامک فقہ اکیڈمی جہاں عصر حاضر میں پیدا ہونے والے مسائل کو اجتماعی طور پر حل کرنے کے لئے بین الاقوامی سیمینار منعقد کرتی ہے —— اور اس سلسلہ کا سیمینار خود اس یونیورسٹی میں فاضل گرامی پروفیسر مولانا سعود عالم قاسمی (شعبۂ دینیات) کی دعوت پر منعقد ہو چکا ہے، جس میں بہت سے اہم سماجی اور طبی مباحث طے ہوئے تھے، اس موقع پر یونیورسٹی کی طرف سے شایانِ شان ضیافت کی حلاوت ابھی بھی ہم لوگ فراموش نہیں کر پائے ہیں، —— وہیں فکری اور تربیتی سیمینار، سمپوزیم اور ورکشاپ بھی منعقد کئے جاتے ہیں اور اب تک اس نوعیت کے ۲۵ پروگرام منعقد ہو چکے ہیں، یہ پروگرام بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس کا مقصد اسلامی قانون کی اہمیت، عصر حاضر میں اسلامی قانون سے متعلق خدمات، بعض پہلوؤں سے ہندوستان کے دستور اور قوانین کا تجزیہ، اسلامی قوانین کی معنویت ونافعیت، ہندوستان میں اس کی تنفیذ کی ممکنہ کوشش اور قانون کی تعلیم کے سلسلہ میں غور وفکر اور مسلمان طلبہ کو اس کی طرف توجہ دہانی وغیرہ جیسے موضوعات کو زیر بحث لایا جا رہا ہے، اس سے ایک طرف ہمیں خود احتسابی کا موقع ملے گا، دوسری طرف اسلامی قانون سے متعلق غلط فہمیوں کو دور کرنے میں مدد ملے گی، اور تیسری طرف ہم اپنے نوجوان طلبہ کو توجہ دلاسکیں گے کہ وہ شعبۂ قانون کی طرف آئیں اور اس میں محنت کریں؛ تاکہ ملک کی اعلیٰ عدالتوں میں مسلمان قانون دانوں کا جو خلا پایا جاتا ہے، اسے دور کیا جا سکے؛ کیوں کہ ہم سے اس سلسلہ میں جو بے توجہی ہوئی ہے اور جس کا ہم شدید نقصان اُٹھا رہے ہیں، اس کی کچھ نہ کچھ تلافی ہو سکے۔

حضرات! یہ حقیر، اکیڈمی اور اس کے ذمہ داروں کی طرف سے آپ سبھی حضرات کا بے حد شکر گزار ہے کہ انھوں نے اس اہم پروگرام کی میزبانی کی اور ان کے اشتراک وتعاون سے یہ پروگرام منعقد ہو رہا ہے، دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پروگرام کو کامیاب بنائے، اسے مفید اور نتیجہ خیز فرمائے اور یہ اس کی رضاء وخوشنودی اور اس کے دین کی تائید وتقویت کا ذریعہ ثابت ہو۔

وبالله التوفيق وهو المستعان .

○ ○ ○